بہر حال بندہ محبت نبوی کے پاکیزہ ومخلصانہ جذبے کے تحت ''کردار کا غازی'' بن کر اپنے رب کے پاس حساب کتاب کے لیے روانہ ہوگیا ہے۔اور اس کی قبر ''گفتار کے غازیوں'' کے لیے بغیر کسی خرچ کے ٹیکس فری آمدنی کا مستقل ذریعہ بن رہی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمرانوں نے غالبًا بیرونی آقاؤں کے دباؤ پر سزائے موت کے نفاذ میں جلد بازی کی۔جبکہ اسی مقدمے میں توہین رسالت کی مجرمہ تاحال بقیدِ حیات ہے۔

کون نہیں جانتا کہ استحکام پاکستان کے دشمن ملک میں افراتفری پھیلانے کے لیے ایسے موقعوں کی تاک میں ہیں۔پچھلے سال ایک سیاسی لیڈر نے ''دینداری'' کا اور دوسرے نے ''لادینی'' کا لبادہ اوڑھ کر اسلام آباد میں طوفان بدتمیزی برپا کر کے حکومت کو گرانے کی غیر جمہوری کوشش کی ہے۔ان قوتوں کے بیرونی آقا ''عاشق رسول کی شہادت'' کے نام پر پھر ہنگامہ آرائی کے لیے فنڈنگ کر کے عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کی کوششیں کر سکتے ہیں۔

اگر عوامی ووٹ کی طاقت سے بننے والی حکومت' جمہوریت کا لحاظ کر کے ممتاز حسین کی رحم کی اپیل منظور کر لیتی ،تو اندرون ملک مسلم لیگ کی مقبولیت میں خوب اضافہ ہو جاتا اور حکمران قومی ''ہیرو'' بن جاتے۔لیکن بیرونی اسلام دشمن ممالک کی نگاہ میں وہ ''زیرو' ہو جاتے۔لگتا ہے کہ انہوں نے دونوں جانب کے فوائد ونقصانات کا جائزہ لے کر بیرونی قوتوں کی رضامندی پر قومی جذبات کو قربان کرنے میں زیادہ فائدہ محسوس کیا ہے۔

اگر حکومت نے ''پاک چین اقتصادی راہداری'' کے تحفظ کی خاطر ضروری سمجھ کر مجبوراً یہ اقدام اٹھایا ہوتا' تو عوام شاید برداشت کر لیتے۔لیکن پنجاب اسمبلی میں قرآن مجید کے نصوص صریحہ کے خلاف صرف دشمن ممالک کو خوش کرنے کے لیے ''تحفظِ حقوقِ نسواں بل'' کے نام سے گھر کی سرپرستی مرد سے چھین کر پاکستان کی ''اسلامی'' حیثیت کو داغدار کرنے کی ناروا کوشش کی گئی ہے۔جبکہ ''عائلی قوانین'' میں دخل اندازی کرنا حکمرانوں کا کام ہی نہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ حکمران خود بھی مقتول گورنر سلمان تاثیر کے نقش قدم پر چلنے کا عزم رکھتے ہیں، اس لیے اپنا تحفظ یقینی بنانے کی خاطر غازی ممتاز قادری جیسے اسلامی رجحان کی حوصلہ شکنی کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کو اسلامی اقدار سے خالی کرنے کی کوششیں حکمرانوں اور عوام دونوں کے مفادات کے خلاف ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عقل وہوش عطا فرمائے۔آمین

❁❁❁❁❁

فہم قرآن: قسط (۱)

ترجمہ قرآن پر رجحانات ومسالک کے اثرات

محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات جاننے کا سب سے مستند ذریعہ ہے۔ اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے بندے اپنے معاملات ومسائل میں اس سے رہنمائی حاصل کریں اور اسے اپنا دستور العمل بنائیں۔ ساتھ ہی رسول ﷺ کو بھی مبعوث کیا گیا اور اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ اپنے قول وعمل کے ذریعے قرآن کی تعلیمات اور اس کے احکام کی تشریح وتوضیح کرے۔ اس طرح مسلمانوں پر لازم قرار پایا کہ وہ احکام الٰہی کی نبوی تشریحات کو قبول کریں اور خود بھی آیات قرآنی میں غور وتدبر کرکے ان کے اسرار ورموز اور معانی ومفاہیم کو آشکارا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ [النحل: ٤٤] ''اور ہم نے آپ پر یہ ذکر نازل کیا ہے، تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح وتوضیح کردیں جو ان کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ یہ لوگ (خود بھی) غور وفکر کریں۔''

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝﴾ [ص: ٢٩] ''یہ ایک بڑی برکت والی کتاب ہے، جو (اے نبی) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور فکر کریں اور عقل رکھنے والے اس سے سبق لیں۔''

تفسیر قرآن کا آغاز:

قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے، جو اس کے اول مخاطبین کی مادری زبان تھی۔ اس لیے وہ عموماً اس کے معانی ومطالب کو سمجھتے تھے۔ اور اگر کہیں اجمال یا کسی اور سبب سے دشواری محسوس کرتے، تو رسول اللہ ﷺ سے، جو ان کے درمیان موجود تھے، دریافت کرلیا کرتے تھے۔

اسلامی فتوحات کا دائرہ بڑھا اور تمدن میں وسعت آئی تو صحابہ کرامؓ نئے نئے مسائل سے دوچار ہوئے۔ اس وقت اس کے احکام معلوم کرنے کے لیے انہوں نے خود بھی غور وتدبر سے کام لیا۔ تابعین نے فہم قرآن میں ارشاداتِ نبوی اور آثار صحابہ دونوں سے فائدہ اٹھایا۔ اس وقت تک تفسیر نے ایک جداگانہ فن کی حیثیت اختیار نہیں کی تھی اور کتب

حدیث میں ایک باب تفسیری روایات پر مشتمل ہوتا تھا۔لیکن اس کے بعد فن تفسیر کے خدوخال نمایاں ہونے لگے اور ایسی کتابیں تالیف کی جانے لگیں ،جن میں ترتیب قرآن کے مطابق ہر آیت کی تفسیر کی جاتی تھی۔

تفسیر نگاری میں ذوق اور مزاج کی کارفرمائی:

ابتدا میں تفسیر قرآن کی بنیاد منقول روایات پر رکھی گئی اور آیات کی تشریح وتوضیح میں سند کے ساتھ یا بلا سند تفسیری اقوال پیش کیے گئے۔اسے تفسیر ماثور کا نام دیا گیا؛لیکن اس معاملے میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔

بعد میں مختلف علوم وفنون کی نشو ونما ہوئی اور ان سے تفسیر قرآن میں مدد لی جانے لگی ،تو تفسیر کی ایک دوسری قسم کو فروغ ملا، جسے تفسیر بالرائے کہا گیا۔مثال کے طور پر عربی لغت اور نحو وصرف سے متعلق علوم مدوّن ہوئے ،قدیم فلسفلہ سے متعلق کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہوا،کلامی مسائل پیدا ہوئے ،فقہی مسالک ظہور پذیر ہوئے۔ان تمام چیزوں نے علم تفسیر پر اثر ڈالا۔چنانچہ اس دور میں لکھی جانے والی کتب تفسیر میں ان علوم ومسائل کے واضح اثرات دکھائی دیتے ہیں اور ان میں ان کے مؤلفین کے ذوق اور مزاج کی رنگا رنگی صاف جھلکتی ہے۔مثال کے طور پر جو مفسرین علم نحو میں مہارت رکھتے تھے،انہوں نے اپنے تفسیروں میں صرف اعراب اور ان کے وجوہ بیان کرنے پر پوری توجہ دی۔جن حضرات کو عقلی علوم میں دست گاہ حاصل تھی ،انہوں نے اپنی تفسیروں کو حکماء وفلاسفہ کے اقوال سے بھر دیا۔جو لوگ فقہ میں دلچسپی رکھتے تھے انہوں نے فقہی جزئیات اور ان کے دلائل اور ائمہ فقہ کے اختلافات نقل کرنے تک خود کو محدود رکھا۔جو مؤرخانہ مزاج کے حامل تھے،ان کی تفسیر صحیح وسقیم قصص وواقعات سے پُر ہوگئیں۔غرض جو شخص جس فن یا مسلک سے دلچسپی رکھتا تھا،اس نے قرآن کریم کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی حتی المقدور کوشش کی۔

ایسے علماء بھی میدان میں آئے جنہوں نے علوم القرآن کے کسی ایک خاص گوشے کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا۔ چنانچہ اقسام القرآن ،مجاز القرآن ،مفردات القرآن ،امثال القرآن ، بدائع القرآن ،اعجاز القرآن ، ناسخ ومنسوخ، اسباب نزول اور احکام القرآن جیسے موضوعات پر بہت سی کتابیں تالیف کی گئی۔

رجحانات ومسالک پر مبنی تفسیریں:

ذوق اور مزاج کی کارفرمائی کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ مختلف رجحانات اور مسالک پر مبنی تفسیریں وجود میں آئیں۔یہ رجحانات فکری بھی تھے اور سیاسی بھی۔مسلمانوں میں عقلیت پسندی کے فروغ اور فلسفہ سے ان کے تأثر کے

نتیجے میں ان میں بہت سے فرق و مذاہب پیدا ہو گئے۔ سیاسی اختلافات کی وجہ سے بھی گروہ بندیاں ہوئیں اور انتشار وتفرقہ کی خلیج بڑھتی چلی گئی۔ ان فرقوں میں معتزلہ، خوارج، شیعہ، باطنیہ، مرجئہ، جبریہ اور قدریہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ متصوفین کا بھی ایک گروہ وجود میں آ گیا، جس نے بہت سے عقائد وافکار اور باطنی تزکیہ کرنے کے لیے اوراد واشغال گھڑ لیے۔ ان تمام گروہوں نے اپنے افکار ومعتقدات اور رجحانات ومسالک کے لیے قرآن کریم سے دلیلیں حاصل کرنے کی کوشش کی۔ آیات قرآنی کو اپنے افکار کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا۔ اور جو آیات ان سے ٹکراتی تھیں ان کی دور از کار تاویلات کیں۔ اس طرح تفسیر بالرأی المذموم پر مبنی وسیع تفسیری لٹریچر وجود میں آ گیا۔

مشہور مؤرخ تفسیر ڈاکٹر محمد حسین ذہبی نے اس مظہر پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے: ''اس میں شک نہیں کہ جب تفسیر قرآن کو ذاتی رجحانات ومیلانات یا عقائد وغیر عقائدی مسالک کا تابع بنا دیا گیا تو اس چیز نے مسلمانوں کے سامنے شر عظیم کا باب وا کر دیا، جس سے داخل ہو کر دشمنان اسلام مسلمانوں کے عقائد کو فاسد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مسلمان اہل بدعت کو اپنی بدعتیں رائج کرنے کا موقع ملا۔ اور نام نہاد دانشوروں نے اپنے بوجھل تصورات اور مریضانہ ذہنیت کے ساتھ خوب موشگافیاں کیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے کتاب اللہ سے ایسے ایسے نکتے نکالے، جن سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔

اگر ان تمام لوگوں نے قرآن کریم میں غور وخوض کرتے وقت اپنے رجحانات اور خواہشات کو الگ تھلگ رکھا ہوتا اور ان ضوابط کی رعایت کی ہوتی، جن کی پابندی تفسیر قرآن کے لیے ضروری تھی، تو انحراف پر مبنی یہ رجحانات وجود میں نہ آتے۔'' [الإتجاهات المنحرفة في تفسير القرآن ص ١٩]

دیگر زبانوں میں قرآن کے تراجم اور تفاسیر کا آغاز:

سطور بالا میں تاریخ تفسیر پر جو مختصر روشنی ڈالی گئی ہے اس کا تعلق عربی تفسیر نگاری سے ہے۔ اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور مسلمان دوسرے ملکوں اور علاقوں میں پہنچے، جہاں کے باشندے دیگر زبانیں بولتے تھے، تو ضرورت محسوس ہوئی کہ انہیں قرآن کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے اسے ان زبانوں میں منتقل کیا جائے۔

ترجمہ قرآن کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں مختصر بحث کے بعد اس کے جواز پر اتفاق ہو گیا، اور دنیا کی بہت سی زبانوں میں قرآن کے تراجم ہوئے اور تفسیریں لکھی گئیں۔ اس میدان میں نہ صرف مسلمان علماء اور دانشوروں نے اہم خدمات انجام دیں؛ بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں نے بھی دلچسپی لی، اگرچہ ان کے کاموں کے پس پردہ